اسلام میں تدوینِ علوم کا آغاز

جناب محمد یوسف گورایہ

قرآن حکیم میں علوم کی تحصیل اور ان کے حفظ وضبط کی تلقین کے بارے میں آیات اتنی عام ہیں کہ محتاج بیان نہیں۔ علم اور قلم لازم وملزوم کے طور پر بیان ہوتے ہیں ان دونوں کا رشتہ وتعلق بڑا گہرا دکھائی دیتا ہے۔ قرآن حکیم کو کسی جگہ سے بھی کھولا جائے تو علم، قلم، کتابت سطور، صحف اور کتب وغیرہ کا تذکرہ ہر جگہ بکثرت ملے گا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر نظر ڈالی جائے تو وہاں یہی صورت دکھائی دیتی ہے، کہیں علوم کے حصول کی ہدایات ملتی ہیں۔ کہیں ان زبانوں کے سیکھنے کے بارے میں ارشادات ملتے ہیں جن کی فوری طور پر ضرورت تھی۔ کہیں قیدیوں پر یہ شرائط عائد کی جاتی ہیں کہ اگر وہ فدیہ ادا نہیں کرسکتے تو کم از کم وہ مسلمانوں کو لکھنا سکھا دیں۔ قرآن حکیم کی تعلیم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا اور رسول کے ہاں علم اور ضبطِ علم کی بڑی اہمیت ہے، لیکن اس کے ساتھ تاریخ سے ہمیں یوں معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان فوری طور پر فنی معنوں میں علم کو ضبطِ تحریر میں نہ لا سکے۔

مسلمان ابتدا میں علوم کو تحریری طور پر ضبط نہ کرسکنے کی وجہ سے کسی کوتاہی کے مرتکب نہیں ہوئے تھے بلکہ اپنی تاریخ اپنے ماحول اور اپنی رسوم وعادات کے اعتبار سے علوم کو ضبط کرنے کی جس اہلیت کے وہ مالک تھے، اس لحاظ سے انہوں نے علوم کی حفاظت میں کسی قسم کی کسر اٹھا نہ رکھی، وہ اپنی قدیم روایات کے اعتبار سے تحریر کی نسبت ذہنی ضبط کے زیادہ عادی تھے، اس لئے وحی و تفصیل وتشریح وحی کے انضباط کے لئے بھی انہوں نے

اپنے ذہنوں پر زیادہ اعتماد کیا پھر جس انداز سے نزولِ وحی کا سلسلہ شروع ہوا وہ تحریر کی نسبت ذہنی انضباط کے لئے زیادہ موزوں تھا۔ اس سلسلہ میں جو بات سب سے زیادہ غور طلب ہے، وہ یہ ہے کہ ان الہامات و تعلیمات کا مقصدِ اوّلین مخاطبین کو عمل کی دعوت دینا تھا۔ اس لئے مخاطبین کے ذہنی ارتقا اور اخلاقی و معاشرتی درجات کے اعتبار سے تنزیل کا سلسلہ جاری رہا۔ تنزیل کا مقصد یہ نہ تھا کہ نازل شدہ حصہ کو رٹ لیا جائے بلکہ اس کی غایت یہ تھی کہ اس پر عمل ہو۔ چنانچہ یہی ہوا، جیسے جیسے قرآن حکیم کا نزول ہوتا گیا مؤمنین اس کے مطابق عملاً اپنی زندگی ڈھالتے گئے۔ اور جب ان تعلیمات پر پوری طرح عمل ہونے لگتا اور مخاطبین ان کے معانی و مفہوم سے پوری طرح آگاہ ہوجاتے تو مزید آیتیں نازل ہوتیں۔ بسا اوقات خود مسلمانوں کو عملی طور پر مسائل درپیش ہوتے تو وہ اللہ کی طرف سے حل کا انتظار کرتے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن حکیم کا نجماً نجماً نازل ہونا اس وجہ سے تھا کہ ایک طرف تو مسلمان اسے ذہنی طور پر ضبط کرتے چلے جائیں اور دوسری طرف نازل شدہ تعلیمات کو پوری طرح سمجھ کر عمل میں لے آویں۔ ضبط کے یہ دونوں طریق جہاں تعلیمات کے مقصد کے اعتبار سے احسن ترین تھے۔ وہاں عربوں کی قدیم روایات کے عین مطابق تھے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ساتھ ہی قرآن حکیم کو مدوّن کر لیا گیا لیکن علوم کی دوسری اقسام کی طرف زیادہ توجہ نہ دی گئی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی کے نزدیک عہدِ نبوی، عہدِ صحابہؓ اور عہد تابعین میں اس طرح کی عدم توجہی کے یہی اسباب تھے۔

(۱) ابتدا میں مسلمانوں کو احادیث و آثار ضبط تحریر میں لانے کی ممانعت کر دی گئی تھی جیسا کہ صحیح مسلم میں اس کا ذکر موجود ہے۔ جہاں ممانعت کا سبب یہ بیان کیا گیا ہے کہ کہیں احادیث و آثار کا کوئی حصہ قرآن حکیم کے ساتھ خلط ملط نہ ہوجائے۔

(۲) عربوں کی قوتِ حافظہ بہت وسیع تھی اور ان کے اذہان میں بہت روانی تھی۔

(۳) عربوں کی اکثریت فنِ کتابت سے واقف نہ تھی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کے بیان کردہ یہ اسباب ہمارے نزدیک نہایت اہم اور بڑے وزنی ہیں۔ جہاں تک پہلے سبب کا تعلق ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تو صحیح مسلم

میں مذکور ہے۔ ہو سکتا ہے مسلمانوں نے اس پر عمل کیا ہو۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ہمیں ایک اور دلچسپ واقعہ اس سلسلہ میں ملتا ہے، وہ حضرت عمرؓ کے ساتھ متعلق ہے بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ کو خیال آیا کہ احادیث نبوی کا ایک مجموعہ تیار کیا جائے، اپنے اس خیال پر انہوں نے بہت غور کیا، گہرے غور و خوض کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس قسم کا مجموعہ بجائے سودمند ثابت ہونے کے نقصان دہ ثابت ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے اس خیال کو ترک کر دیا۔ ان دونوں واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مروی حدیث اور حضرت عمرؓ کا فیصلہ ایک ہی جڑ کی دو شاخیں ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مروی حدیث کا سبب تو خود حدیث میں بیان کر دیا گیا ہے وہ یہ کہ احادیث و آثار کا کچھ حصہ قرآنی تعلیمات سے خلط ملط نہ ہو جائے اور حضرت عمرؓ کے فیصلے، ترک تدوین حدیث کی توجیہ واضح طور پر معلوم نہ ہو سکی۔ لیکن ظاہر یہ ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے فیصلے کے پیچھے بھی وہی حکمت کام کر رہی تھی جو حدیث میں بیان کی گئی ہے۔ ہمارے خیال میں حدیث اور حضرت عمرؓ کے فیصلہ کا اصل مقصد حدیث میں بیان کردہ سبب کی روشنی میں یہ تھا کہ قرآن حکیم ابدالآباد تک کے لئے عالمگیر و ہمہ گیر اصولوں کا مجموعہ ہے۔ اور حدیث ان اصولوں کی تاریخ کے ایک خاص دور میں عملی تصویر ہے۔ لیکن چونکہ عالمگیر اور ہمہ گیر اصولوں کو عملی جامہ تاریخ کے ایک خاص دور میں پہنایا گیا، جس دور کے معاشرتی، سیاسی، معاشی اور تمدنی حالات اس دور کے ساتھ مخصوص تھے اور پھر ان حالات میں تبدیلی ناگزیر تھی جس طرح اس خاص دور سے پہلے کے حالات میں تبدیلیاں ہوئیں اور اس دور کے بعد مختلف ادوار کے حالات میں تبدیلیاں ہوں گی۔ لہٰذا قانونِ فطرت کے اس غیر متبدل اصول کے پیش نظر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اپنی پوری حکمت کے ساتھ واضح ہوتا ہے اور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج شناس جناب فاروقِ اعظم کی حکمتِ بالغہ کا اعتراف کرنا پڑتا ہے جنہوں نے عالمگیر اور لازوال اصولوں اور ان اصولوں پر ایک خاص زمانے کے مخصوص تاریخی، جغرافیائی، معاشی، سیاسی، تمدنی اور ثقافتی حالات پر مبنی عمل کے درمیان اتنی وضاحت کے ساتھ تمیز کی۔ چونکہ

وقت قانونِ فطرت کے اٹل اصول کے تحت زمانے میں مختلف تغیر و تبدل پیدا کرتا رہتا ہے اور ان تغیرات کے نتیجے میں انسانی حالات میں بھی دن رات تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں اس لئے قرآن کے بنیادی اصولوں پر عمل کی صورتیں بھی حالات زمانہ کے مطابق مختلف شکلیں اختیار کرتی رہتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مخصوص وقت کے حالات پر مبنی عمل دوسرے وقت کے مختلف حالات پر بعینہٖ منطبق نہیں ہوتا لہٰذا مختلف اوقات میں مختلف حالات کو ان غیر متبدل اصولوں کی روشنی میں اختلافِ زمانہ کے اعتبار سے اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں ترتیب دیا جاتا رہے گا۔

جیسا کہ ہم نے بیان کیا، علوم کی تدوین کی طرف توجہ نہ دے سکنے کے یہ اسباب بڑے بنیادی تھے۔ لیکن تاریخ کی روشنی میں ہم ان اسباب میں چند اور اسباب کا اضافہ کر سکتے ہیں، ہمارے خیال میں تدوینِ علوم کی راہ میں صرف یہی اسباب حائل نہ تھے بلکہ اگر ہم تاریخ اسلام پر غور کریں تو ہجرت کی پہلی پون صدی علوم کی تدوین کے لئے سازگار نہ تھی، تفصیل اس اجمال کی یوں ہے کہ اسلامی تعلیمات اور اسلامی نوزائیدہ مملکت کے خلاف پورے عرب میں ایک زبردست ہنگامہ بپا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہؓ تعلیمات اسلام کی نشر و اشاعت اور نوزائیدہ مملکت کی حفاظت و دفاع میں دن رات مصروف تھے۔ دس سالہ مدنی زندگی میں ایک بار نہیں بسا اوقات کئی کئی بار معرکہ آرائیاں کرنی پڑیں۔ جنابِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ارتداد کا فتنہ شروع ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کے عہدوں میں فتوحات کا سلسلۂ عظیم شروع ہوا جو مسلسل پھیلتا ہی چلا گیا ــــ ابھی فتوحات کا یہ سلسلہ شروع ہی تھا کہ حضرت عثمانؓ خلیفۂ ثالث کے عہدِ خلافت کے آخری حصہ میں خانہ جنگی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ خانہ جنگی کی ابتدا حضرت عثمانؓ کی شہادت ۳۵ھ/۶۵۶ء میں ہوئی اور ۴۱ھ/۶۶۱ء میں حضرت معاویہؓ کے خلیفہ بننے پر اس کا پہلا دور ختم ہوا۔ خانہ جنگی کا دوسرا دور حضرت معاویہؓ کی وفات سے شروع ہوا اور عبدالملک بن مروان کے عہدِ خلافت ۸۶ھ تک جاری رہا۔

تاریخ اسلام کے اس پس منظر سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان اس دور میں دفاعی انتظامات اور ارتداد کے خلاف معرکہ آرائیوں، فتوحات اور خانہ جنگیوں میں اتنے مصروف تھے کہ کوشش

کے باوجود بھی علوم کی تدوین کا کام سرانجام نہیں دے سکتے تھے۔ جنگیں اور خانہ جنگیاں مذہبی فریضہ کے طور پر انجام دی جاتی تھیں اور ہر مسلمان ان میں مذہبی فریضہ کے طور پر شریک ہوتا تھا۔ جنگ ارتداد ہو یا فتوحات و خانہ جنگی ہو۔ ہر حالت میں مسلمانوں کی شرکت ضروری تھی۔ جنگ ردّہ کے اختتام پر حضرت ابوبکرؓ اور ان کے رفقاء کی دور رس نگاہ نے عربوں کو دوبارہ اس کا موقع دینے کی بجائے ان کی جنگجویانہ سپرٹ کے استعمال کے لئے نئے میدان تلاش کئے اور کفر و اسلام کی جنگوں کا سلسلہ جاری ہوگیا، فتوحات کا یہ سلسلہ شام، عراق، ایران، فلسطین، مصر اور قیروان تک وسیع ہوتا چلا گیا۔ فتوحات کا یہ سیل رواں پوری قوت کے ساتھ جاری تھا کہ خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ اس کی ابتدا دارالخلافہ مدینہ سے ہوئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے مدینہ، مکہ، کوفہ، اور بصرہ اس کی لپیٹ میں آگئے اور جنگ جمل جیسا جانکاہ سانحہ اس کا پہلا سنگ میل ثابت ہوا اس کے بعد جو سلسلہ شروع ہوا وہ جنگ جمل سے کہیں زیادہ خونریز و جانکاہ ثابت ہوا۔ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کی باہمی آویزش جنگ صفین کی صورت اختیار کر گئی۔ اس میں عرب، ایران، عراق اور شام اپنی پوری قوت کے ساتھ شریک ہوئے۔ اور عرب و عجم کے تمام زہاد صلحاء، اور علماء نے اپنے فریق کی جانب سے اس میں شرکت کی سوائے چند مستثنیات کے کوئی مسلمان ایسا نہ تھا جس نے جانبین کی طرف سے اس میں باقاعدہ حصہ نہ لیا ہو صفین کے اس سانحہ عظیم کے بعد نہروان کا معرکہ پیش آیا۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ شہادت حضرت عثمانؓ سے لے کر حضرت معاویہؓ کی خلافت تک کا زمانہ مسلسل خانہ جنگیوں کی نذر ہوا اور ان میں تمام مسلمانوں نے شرکت کی۔ اس طرح حضرت معاویہؓ کی وفات کے ساتھ ہی خانہ جنگیوں کا دوسرا دور شروع ہوا جس کی ابتدا مدینہ اور پھر مکہ کی تباہی و بربادی اور قتل و غارت گری سے ہوئی اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت پر اس کا خاتمہ ہوا جنگوں اور خانہ جنگیوں کے اس سلسلہ کی وجہ سے اسلامی وحدت کے ٹکڑے ہوگئے اور پوری امت کئی چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بٹنے کے ساتھ ساتھ بڑی بڑی سیاسی پارٹیوں میں تقسیم ہوگئی۔ یہ اگرچہ شروع میں سیاسی وجوہ کی بنا پر ایک دوسرے سے برسرپیکار رہتے لیکن آہستہ آہستہ اس اختلاف نے مذہبی رنگ اختیار کرنا شروع کیا اس طرح سیاسی اختلاف مذہبی اختلافات کی شکل میں رونما ہونے لگے۔

تاریخ اسلام کے ان حقائق کے پیش نظر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگرچہ عرب اپنی قدیم روایات کی بنا پر فن کتابت کو استعمال میں لانے کے عادی نہ تھے لیکن خانہ جنگیاں اگر انہیں مہلت دیتیں تو شاید وہ اس دور میں علوم کو ضبط تحریر میں لانے کی طرف توجہ دیتے لیکن بدقسمتی سے ایسا نہ ہوسکا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں علوم کی تدوین کا آغاز دیر سے ہوا۔

اسلام میں علوم کی تدوین کے ابتدائی دور کے بارے میں مختلف آراء پائی جاتی ہیں اکثر علماء کا خیال ہے کہ اس کا آغاز علوم کے مٹ جانے اور علماء کے دنیا سے اٹھ جانے کے خوف سے ہوا۔ چنانچہ الہروی یحییٰ بن سعید عن عبداللہ بن دینار کے طریق سے تدوین علوم پر بحث کرتے ہوئے یوں بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ اور تابعین عظام عام طور پر احادیث کو لکھا نہیں کرتے تھے، ان کا عام طریق کار یہ تھا کہ وہ تعلیم و تعلم کا کام زبانی کیا کرتے تھے اور ضبط کے سلسلہ میں حفظ و یادداشت پر بھروسہ کرتے تھے۔ بعض مستثنیٰ طور پر صدقات اور دیگر مباحث پر مختصر طور پر لکھ بھی لیا کرتے تھے۔ مسلمان عام طور پر اسی طریق پر گامزن رہے حتی کہ انہیں علوم کے فنا ہو جانے اور علما کے کثرت سے فوت ہو جانے کا خطرہ لاحق ہوا سب سے پہلے جس شخص نے اس خطرے کو محسوس کیا وہ حضرت عمر بن عبد العزیز تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے عہدِ خلافت میں حدیث کی تدوین کا حکم فرمایا۔

ابونعیم نے تاریخ اصبہان میں لکھا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ایک فرمان پوری سلطنت میں اس مضمون کا بھیجا تھا کہ سب علماء حدیثِ رسولؐ کا جائزہ لیں اور اس کی جمع و تدوین کا اہتمام کریں۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز پہلے شخص تھے جنہیں تدوینِ علوم کا احساس ہوا اور انہوں نے اس کا سرکاری طور پر اہتمام کیا، حضرت عمر بن عبدالعزیز کا یہ اہتمام دو وجوہ کی بنا پر قابلِ غور ہے۔ ایک تو یہ کہ یہ اہتمام سرکاری طور پر ہوا اور دوسرا یہ کہ اس کا آغاز اس خوف سے ہوا کہ کہیں علم مٹ نہ جائے اور علما کی اکثریت دنیا سے رخصت نہ ہو جائے۔ یہ دونوں وجوہ اس اعتبار سے قابلِ غور ہیں کہ اس تحریک کے متوازی ایک دوسری تحریک پرائیویٹ طور معروفِ عمل تھی اور اس تاریخ کی ابتدا کا سبب اس تحریک کے سبب سے مختلف تھا۔ ایک تو وہ پرائیویٹ تحریک تھی اور دوسرے اس کے آغاز کا سبب علم اور علماء کے مٹنے کا خوف نہیں

بلکہ دوسرے علوم کے مقابلہ میں اسلامی علوم کی تدوین کی ضرورت تھی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری کے مقدمہ میں اس موضوع پر لکھتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ کبار تابعین کے بعد تابعین کے عہد کے آخری حصہ میں آثار کی تدوین اور اخبار کی تبویب کا آغاز ہوا۔ اس آغاز کا سبب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ ایک تو اس دور میں علماء مختلف علاقوں میں منتشر ہو گئے۔ اور دوسرے خوارج، روافض کی وجہ سے بدعات خوب کثرت سے پھیلنے لگیں۔

آغاز تدوین علوم کے بارہ میں حافظ ابن حجر کا یہ تبصرہ نہایت جامع اور وقیع ہے جیساکہ اوپر بیان ہوا۔ خانہ جنگیوں کی وجہ سے مسلمان بڑے بڑے سیاسی گروہوں میں بٹ گئے۔ اور اس سیاسی تقسیم کی وجہ سے ان کی مرکزی حیثیت جاتی رہی۔ اس سیاسی تقسیم سے قبل مدینہ کی مرکزی حکومت اتنی جاندار تھی کہ ہر پیش آمدہ مسئلے کا حل تلاش کرنے کی اس میں صلاحیت موجود تھی۔ خلیفہ اور اس کے ارکان مجلس شوریٰ امت کے بہترین دماغ تھے۔ لیکن خانہ جنگیوں کی وجہ سے جہاں مرکزیت کو زبردست نقصان پہنچا۔ وہاں اصحاب حل وعقد کا شیرازہ بھی منتشر ہوگیا۔ سیاسی اختلافات کی وجہ سے بڑے بڑے صلحاء اور زیرک مسلمان مرکز کے ساتھ وابستہ ہونے کی بجائے علیحدگی پسند کرنے لگے جس کی وجہ سے مذہب اور سیاست میں تقسیم ہونے لگی۔ پھر سیاسی کھاڑ پچھاڑ اور آئے دن کی جنگوں نے علماء کو مجبور کیا کہ وہ ادھر اُدھر منتشر ہو جائیں۔ مدینہ میں اگرچہ سکون تھا، تاہم اس کے علاوہ دوسرے بڑے بڑے اسلامی مرکز سیاست و جنگ وجدل کی دست برد سے ہرگز محفوظ نہ تھے۔

نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کی سیاسی وحدت پارہ پارہ ہوگئی۔ بلکہ وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ سیاست مذہب کا رنگ اختیار کرنے لگی۔ چنانچہ کچھ فرقے سیاست میں ناکامی کے بعد اپنے سیاسی نظریات کو مذہبی رنگ دینے لگے۔ اور اپنے ہر مؤقف کی تائید مذہب سے تلاش کرنے لگے چونکہ اسلاف میں سے صرف ایک صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہی ایسی ذات تھی۔ جو سب کے نزدیک مسلّم تھی۔ کیونکہ ان کے بعد والوں کو کسی نہ کسی طرف سے جانبدار قرار دے دیا گیا۔ لہذا اپنے مؤقف کی تائید کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو ہر [illegible] استعمال کرنا شروع کیا۔ اور ہر قسم کی احادیث اُبھرنے لگیں اور ہر فریق اپنی تائید کے لئے احادیث تلاش کرنے لگا۔ ظاہر ہے ایسی صورت حال میں من گھڑت اور مصنوعی احادیث کو بھی کثرت سے ایجاد

کیا گیا ہوگا۔ چنانچہ ان حالات نے اُمت کے احساس اور بیدار مغز عُلماء کو میدانِ عمل میں آنے کی دعوت دی۔ بدعات کے اِس عظیم طُوفان کے مقابلے کے لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ جہاں اُمت کے سوادِ اعظم میں تقریر و خطابت کے ذریعے دینِ اسلام کی اشاعت کی جائے۔ وہاں مسائل کو ضبطِ تحریر میں لاکر ایک تو علم کو محفوظ کر لیا جائے۔ اور دوسرے بدعات کے مقابلہ میں صحیح اور مستند علم کو لکھ کر عام کیا جائے۔ چنانچہ سب سے پہلے اس سلسلے میں الربیع بن صبیح اور سعید بن ابی عروبہ اور کچھ دوسرے اصحاب متوجہ ہوئے۔ انہوں نے ایک ایک موضوع پر رسالے لکھے۔ اور احکام مدوّن کئے۔

مختلف علاقوں کے علماء نے اپنے اپنے علاقے کے مجتمع علیہ مسائل کی جمع وتدوین شروع کی۔ مدینے میں امام مالک بن انس نے مؤطا مرتب کی۔ اس میں حجاز کی قوی احادیث کو درج کرنے کا اہتمام کیا۔ خلفاء راشدین کے فیصلوں اور دیگر صحابہ کرام کے اقوال کو جمع کیا۔ اور تابعین کے فتاویٰ کو مرتب کیا۔ یہی کام ابن جریج نے مکہ میں، اوزاعی نے شام میں، سفیان الثوری نے کوفہ میں، حماد بن سلمہ نے بصرہ میں، هقیم نے واسط میں، معمر نے یمن میں، ابن المبارک نے خراسان میں، جریر بن عبدالحمید نے رے میں انجام دیا۔ یہ سب علماء ایک ہی دور کے ہیں — معلوم نہیں۔ ان میں سے اس کام میں پہل کس نے کی۔ البتہ ابوطالب مکی نے اپنی کتاب قوت القلوب میں اس بات کی تصریح کی ہے کہ یہ سب کتب ۱۲۰ یا ۱۳۰ ہجری میں لکھی گئیں۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس سلسلے میں سب سے پہلے ابنِ جریج نے ایک کتاب مکہ میں لکھی تھی۔ اس کے بعد معمر نے یمن میں اپنی کتاب لکھی۔ جس میں سنن کو جمع کیا گیا۔ پھر امام مالک بن انس نے مدینہ میں اپنی کتاب المؤطا مرتب کی۔ اس کے بعد ابن عیینہ کی الجامع والتفسیر اور سفیان الثوری کی جامع مرتب ہوئیں۔

الغرض دوسری صدی ہجری کے نصف تک اسلامی علوم کی تدوین کا باقاعدہ آغاز ہو چکا تھا۔ اور اس زمانے تک مندرجہ بالا کتب ضبطِ تحریر میں لائی جا چکی تھیں۔ اسلام میں علوم کی تدوین کا آغاز ہونے کی دیر تھی۔ پھر تو اس میں وہ ترقی ہوئی کہ ایک ایک شخص کی تصنیفات آج کل کے سینکڑوں مصنفین کی اجتماعی کوشش پر سبقت لے گئیں۔